تقریر بابت اللہ تعالیٰ
وقت 5-7 منٹ

❁❁❁ تقریر ❁❁❁

صفتِ رُبوبیّت، رحمانیّت اور رحیمیّت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ-اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ-الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ (الفاتحہ:1-3)

اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ تمام حمد اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

کس قدر ظاہر ہے نور اُس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا
ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

(درثمین)

واجب الاحترام ساتھیو! آج مجھے جس جلیل القدر اور روح پرور موضوع پر آپ کے سامنے لب کشائی اور اپنے فکری جذبات کے اظہار کا شرف حاصل ہو رہا ہے، وہ خدائے برتر و توانا کی ذاتِ بابرکات کی معرفت کا وہ درخشندہ اور لازوال سرچشمہ ہے جس پر کائنات کا تمام تر وجود، اس کا حسن اور اس کا نظامِ حیات قائم ہے۔ میری آج کی اس تقریر کا عنوان ہے: "صفتِ رُبوبیّت، رحمانیّت اور رحیمیّت"

اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف زندگی گزارنے کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ اسے اپنے ربّ کو پہچاننے، اس سے تعلق قائم کرنے اور اپنی زندگی کو اس تعلق کے مطابق ڈھالنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ انسان جب اپنے اردگرد پھیلی ہوئی اس وسیع کائنات پر غور کرتا ہے، آسمانوں کی وسعتوں کو دیکھتا ہے، زمین کے نظام پر سوچتا ہے، ایک چھوٹے سے بیج کو درخت بنتے دیکھتا ہے اور پھر اپنے ہی وجود پر غور کرتا ہے کہ ایک معمولی سے نطفے سے ایک ایسا انسان وجود میں آتا ہے جس کے اندر سوچنے، سمجھنے، محبت کرنے، فیصلہ کرنے اور اپنے خالق کو پہچاننے کی صلاحیت رکھی گئی ہے، تو عقل بے اختیار اس حقیقت کی طرف متوجہ ہوتی ہے کہ اس سارے نظام کے پیچھے ایک حکیم اور قادر ہستی موجود ہے۔

لیکن ہمارے زمانے کا ایک بڑا سوال یہ ہے کہ اگر خدا موجود ہے تو انسان اسے پہچانے کیسے؟ اگر وہ ہمارا خالق ہے تو اس کا ہماری زندگی سے کیا تعلق ہے؟ اور اگر وہ ہمارا ربّ ہے تو اس رُبوبیّت کے آثار ہماری روزمرّہ زندگی میں کہاں دکھائی دیتے ہیں؟

یہ سوال آج اس لیے بھی زیادہ اہم ہو گیا ہے کہ انسان نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بہت ترقی کی ہے۔ اس نے زمین کی گہرائیوں سے لے کر آسمانوں کی وسعتوں تک بہت سے راز دریافت کیے ہیں، لیکن مادّی ترقی کے باوجود انسان کے دل کا اطمینان کم نہیں ہوا۔ آج بھی بے چینی ہے، خوف ہے، تنہائی ہے، جنگ ہے، خود غرضی ہے اور زندگی کے مقصد کے بارے میں ایک گہرا سوال موجود ہے۔ اس لیے مسئلہ صرف یہ نہیں کہ انسان نے کائنات کے کتنے راز معلوم کر لیے ہیں، اصل سوال یہ ہے کہ ان رازوں کو جاننے کے بعد وہ اپنے ربّ کو کتنا پہچان سکا ہے۔

قرآنِ کریم نے معرفتِ الٰہی کا دروازہ کسی پیچیدہ فلسفے سے نہیں کھولا بلکہ سورۃ الفاتحہ کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات بیان فرمائیں جو انسان کو اُس کے ربّ سے زندہ تعلق کی طرف لے جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ (الفاتحہ:2-3)

کہ تمام حمد اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔ بے انتہا رحم کرنے والا، بِن مانگے دینے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

یہ چند الفاظ بظاہر مختصر ہیں، لیکن اگر انسان ان پر غور کرے تو اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا ایک پورا جہان کھل جاتا ہے۔ پہلے فرمایا گیا: **رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ**۔ وہ صرف ہمارا خالق نہیں بلکہ ہمارا ربّ ہے یعنی پیدا کرنے کے بعد ہمیں چھوڑ نہیں دیتا، بلکہ ہماری پرورش کرتا ہے، ہماری نشو ونما کرتا ہے، ہماری ضروریات پوری کرتا ہے اور ہمیں بتدریج کمال کی طرف لے جاتا ہے۔ پھر فرمایا: **الرَّحۡمٰنِ**۔ وہ ایسا مہربان ہے جس کا فضل کسی کے عمل کا محتاج نہیں۔ اس کی نعمتیں انسان کے مانگنے سے پہلے بھی اس تک پہنچ رہی ہیں۔ پھر فرمایا: **الرَّحِیۡمِ**۔ وہ ایسا رحم کرنے والا ہے جو انسان کی کوشش، اُس کی دعا، اُس کے ایمان اور اُس کے نیک عمل کو ضائع نہیں کرتا بلکہ اُسے اپنے فضل سے بہتر نتائج عطا فرماتا ہے۔

پس ربُوبیّت ہمیں بتاتی ہے کہ ہمارا وجود کس کے سہارے قائم ہے، رحمانیّت ہمیں بتاتی ہے کہ ہم پر بے شمار نعمتیں کس کے فضل سے نازل ہو رہی ہیں اور رحیمیّت ہمیں یقین دلاتی ہے کہ ہماری نیکی، ہماری کوشش اور ہماری دعا بے مقصد نہیں۔ اِسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ فَهُوَ أَقْطَعُ

(سنن ابن ماجہ)

کہ ہر اہم کام جو اللہ تعالیٰ کی حمد سے شروع نہ کیا جائے، اس میں برکت اور تکمیل کا وہ درجہ نہیں رہتا جو حمدِ الٰہی سے شروع ہونے والے کام میں ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ الفاتحہ کے ان الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے ایک نہایت گہری حقیقت بیان فرمائی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

”اُمُّ الکتاب کا پہلا فقرہ الحمد للہ ہے یعنی تمام کامل تعریفیں خدائے عزّوجلّ کے لیے ہی سزاوار ہیں اور الحمد میں جو لفظ ال کا ہے یہ عموم پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جتنی حمد کے لائق باتیں ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کی ذات میں موجود ہیں... اور خدا کے چار نام جن کا اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے یعنی رب العالمین، الرحمن، الرحیم اور مالك یوم الدین، یہ چاروں نام صفتِ حمد کے تمام مقتضیات کو پورا کرنے کے لیے ایک عِلّت کے حکم میں ہیں۔“

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 247)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس ارشاد پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد صرف اس لیے نہیں کہ وہ ہمارا خالق ہے، بلکہ اس لیے کہ اُس کی ذات میں ہر کامل صفت اپنی اعلیٰ ترین صورت میں موجود ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں حسن ہے، کمال ہے، علم ہے، قدرت ہے، رحم ہے یا کسی خوبی کا کوئی نشان ہے، وہ اپنی اصل میں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ کمال کا ایک محدود عکس ہے۔ انسان کسی خوبصورت منظر کو دیکھ کر متاثر ہوتا ہے، کسی نیک انسان کے کردار کی تعریف کرتا ہے یا کائنات کے حیرت انگیز نظم کو دیکھ کر حیران ہوتا ہے تو دراصل وہ ان محدود مظاہر کے پیچھے موجود اس کامل قدرت کی طرف متوجہ ہو رہا ہوتا ہے جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا۔

یہاں ایک نہایت اہم بات سمجھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات محض فلسفیانہ بحث کے الفاظ نہیں ہیں۔ ربُوبیّت، رحمانیّت اور رحیمیّت ایسی زندہ صفات ہیں جن کے اثرات ہر لحہ ہماری زندگی میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ ہم سانس لیتے ہیں تو یہ اس کی ربُوبیّت کا نشان ہے، ہمیں بغیر مانگے بے شمار نعمتیں ملتی ہیں تو یہ اس کی رحمانیّت کا جلوہ ہے اور جب انسان اپنے ربّ کے حضور جھکتا ہے، کوشش کرتا ہے، دعا کرتا ہے اور نیکی اختیار کرتا ہے تو اس کوشش پر فضل کا دروازہ کھلتا ہے تو یہ اس کی رحیمیّت کا ظہور ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں انہی صفات کے باہمی تعلق کو نہایت خوبصورتی سے بیان فرمایا ہے کہ قرآنِ کریم نے پہلے رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ فرمایا، پھر الرَّحۡمٰنِ اور پھر الرَّحِیۡمِ۔ اس ترتیب میں ایک گہری حکمت ہے۔ انسان کو پہلے وجود ملتا ہے، پھر اس وجود کے لیے وہ بے شمار سامان مہیا کیے جاتے ہیں جن کے لیے اس نے کوئی کوشش نہیں کی ہوتی اور پھر جب وہ اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرتا اور اپنے ربّ کی طرف متوجّہ ہوتا ہے تو رحیمیّت کے فیض سے اُس کی کوششوں کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

گویا انسان کی پوری زندگی ان تین صفات کے سائے میں بسر ہو رہی ہے۔ ہم وجود میں آئے تو ربُوبیّت کا فیض تھا، ہمیں زندگی کے لیے بے شمار نعمتیں ملیں تو رحمانیّت کا فیض تھا اور جب ہم اپنے ربّ کی طرف متوجّہ ہو کر اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں تو رحیمیّت ہمارے قدموں کو آگے بڑھاتی ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کے لیے ایک بہت بڑا سبق پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہمارا ربّ تمام جہانوں کا ربّ ہے، اگر اس کی رحمت کسی ایک قوم، نسل یا خطّے تک محدود نہیں، اگر وہ اپنی مخلوق کو بلا امتیاز پرورش دے رہا ہے تو پھر اُس کے بندوں کے دل بھی تنگ نہیں ہونے چاہئیں۔ خدا کی رُبوبیّت کو پہچاننے والا انسان دوسروں کے لیے بھی خیر کا ذریعہ بنتا ہے۔ وہ رنگ، نسل، زبان، قوم اور ملک کے فرق سے اوپر اٹھ کر انسان کو انسان کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔

اِسی لیے ربُوبیّت کا صحیح فہم صرف خدا کے بارے میں ایک عقیدہ نہیں بلکہ انسان کے کردار کی تعمیر بھی کرتا ہے۔ جو شخص خدا کو ربُّ العالمین مانتا ہے، اُسے اپنی زندگی میں بھی دوسروں کے لیے آسانی، شفقت اور خیر کا ذریعہ بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صفتِ ربوبیت کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”ربوبیت کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ تمام عالَموں کا پیدا کرنے والا اور ان کا سنبھالنے والا اور تمام کائنات کے قوام کا اصل موجب وہی ہے۔ یعنی دنیا میں جتنے اجسام اور ارواح اور فلک اور ارض اور حیوان اور جماد اور نبات ہیں یہ سب خدا تعالیٰ کی رُبوبیّت سے پرورش پاتے ہیں... اور یہ رُبوبیّت بغیر کسی استحقاق کے محض اپنے ذاتی فضل سے ہر ایک وجود کو درجہ بدرجہ کمال تک پہنچاتی ہے۔“

(سرمہ چشمِ آریہ، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 179-180)

سامعین! یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رُبوبیّت کا ایک ایسا پہلو بیان فرمایا ہے جو انسان کو اپنے وجود پر دوبارہ غور کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف پیدا نہیں کیا بلکہ ہمارے اندر ترقی کی صلاحیّت بھی رکھی اور پھر ہمیں قدم بہ قدم آگے بڑھنے کے مواقع عطا فرمائے۔ ایک بیج فوراً درخت نہیں بنتا، ایک بچہ ایک ہی دن میں بالغ نہیں ہوتا اور انسان ایک ہی لمحے میں روحانی کمال تک نہیں پہنچ جاتا۔ قدرت کا قانون تدریج کا قانون ہے۔ چیزیں مرحلہ وار بڑھتی ہیں، صلاحیتیں آہستہ آہستہ کھلتی ہیں اور کمال تک پہنچنے کے لیے وقت، تربیّت اور مسلسل عمل درکار ہوتا ہے۔

یہی رُبوبیّت کا ایک عظیم نشان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو اس کی استعداد کے مطابق آگے بڑھاتا ہے۔ وہ اسے ایک مقام پر پیدا کر کے چھوڑ نہیں دیتا بلکہ اس کی پرورش کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ جب ہم اس حقیقت کو سمجھتے ہیں تو ہمارے سامنے ایک اور سوال آتا ہے: اگر اللہ تعالیٰ ہر وجود کو مسلسل سنبھال رہا ہے، اگر اس کی رُبوبیّت ہر لمحہ جاری ہے، اگر ہماری زندگی کا ہر لمحہ اس کے فضل کا محتاج ہے، تو پھر انسان اپنی کامیابی کو صرف اپنی ذات کا نتیجہ کیسے سمجھ سکتا ہے؟

ہماری عقل، ہماری صحت، ہماری صلاحیتیں، ہمارے مواقع، ہماری زندگی اور یہاں تک کہ وہ حالات جن میں ہمیں اپنی صلاحیتیں استعمال کرنے کا موقع ملتا ہے، یہ سب کسی نہ کسی صورت میں اِسی رُبوبیّت کے آثار ہیں۔ انسان کوشش ضرور کرتا ہے، لیکن کوشش کرنے کی قوت بھی اُسے عطا ہوئی ہے اور کوشش کے لیے میدان بھی اُسی نے پیدا کیا ہے۔ یہی احساس انسان کو تکبّر سے بچاتا ہے اور شکر کی طرف لے جاتا ہے اور جب انسان رُبوبیّت کو سمجھ لیتا ہے تو اس کے بعد رحمانیت کا دروازہ کھلتا ہے: اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس رب نے اسے صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ ایسی بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے جن کے لیے اُس نے نہ کوئی قیمت ادا کی، نہ کوئی دعویٰ کیا اور نہ کوئی استحقاق پیش کیا۔ یہیں سے معرفتِ الٰہی کا وہ سفر شروع ہوتا ہے جس میں انسان اپنے ربّ کو صرف مانتا نہیں بلکہ اُسے اپنی زندگی میں پہچاننے لگتا ہے، اُس کی نعمتوں کو محسوس کرتا ہے، اُس کے فضل کو دیکھتا ہے اور پھر اُس کے حضور اپنے سر کو پہلے سے زیادہ عاجزی کے ساتھ جھکا دیتا ہے۔

عزیز ساتھیو! کائناتی وسعتوں میں جب انسان صفتِ رُبوبیّت کے تحت اپنے وجود کی بنیادی تخلیق اور ارتقائی مراحل کو دیکھتا ہے، تو اُس کے بعد خود بخود یہ سوال اُبھرتا ہے کہ اس عدم سے وجود میں آنے والی مخلوق کو زندگی برقرار رکھنے کے لیے کن امور کی حاجت ہے؟ یہی وہ مقام ہے جہاں صفتِ رُبوبیّت کا دائرۂ عمل صفتِ ”رحمانیّت“ سے جُڑتا ہے۔ رُبوبیّت نے جس وجود کو سنبھالا اور اُبھارا، رحمانیّت نے اس وجود کی بقا اور نشو و نما کے لیے وہ تمام تر سامان بلا معاوضہ اور بن مانگے پہلے سے ہی مہیا کر دیے جن کا انسان تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پس رُبوبیّت اگر تخلیق اور ارتقاء کا نام ہے، تو رحمانیّت اس تخلیق کی بلا استحقاق اور غیر مشروط سرپرستی کا دوسرا نام ہے۔

لغوی اور صرفی اعتبار سے ”رحمٰن“ کا وزن ”فَعْلَان“ کا ہے، جو عربی زبان میں جوش، طغیانی، وسعت اور کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے ”عَطْشَان“ شدید پیاس اور ”غَضْبَان“ شدید غصّے کے جوش کو ظاہر کرتا ہے، اسی طرح ”رحمٰن“ کا مطلب ہے وہ ذات جس کی رحمت میں ایسا جوش اور طغیانی ہے جو تمام مخلوقات کو بلا امتیاز اپنے دامنِ کرم میں سمیٹ لیتی ہے۔ صفتِ رحمانیّت کی سب سے بڑی خصوصیّت یہ ہے کہ یہ کسی عمل، محنت، دعا یا تضرّع کی مرہونِ منت نہیں ہوتی۔ انسان یا کسی بھی ذی روح کے پیدا ہونے سے ہزاروں لاکھوں سال پہلے سورج کی روشنی، ہوا کی آکسیجن، پانی کا نظام، زمین کی کشش اور فضا کی سازگاری کا جو اہتمام کیا گیا، وہ سب خدا کی صفتِ رحمانیت ہی کا کرشمہ ہے۔

عصرِ حاضر میں، جہاں انسان اپنی سائنسی ایجادات، تسخیرِ کائنات اور مادّی وسائل کو اپنی ذاتی قابلیت اور محنت کا نتیجہ سمجھ کر تکبّر اور الحاد کا شکار ہو رہا ہے، وہاں صفتِ رحمانیّت کا ادراک انسان کو عاجزی کا درس دیتا ہے۔ یہ صفت انسان کو یاد دلاتی ہے کہ اس کی تمام تر سائنسی ترقی اور ذہانت ان بنیادی قویٰ اور قوانینِ فطرت کی مرہونِ منّت ہے جو رحمان خدا نے اسے بِن مانگے عطا کیے تھے۔ اگر رحمان خدا انسان کو دماغ، بصارت، سماعت اور سوچنے کی صلاحیّت ہی بِن مانگے نہ دیتا، تو کوئی سائنسی یا تکنیکی پیش رفت ممکن ہی نہ ہوتی۔

قرآنِ کریم میں صفتِ رحمانیّت کے اس غیر مشروط اور عالمگیر فیض کو ان الفاظ میں واشگاف فرمایا گیا ہے:

"وَرَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ" (الاعراف:157) یعنی میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔

یہ آیت انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجّہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کسی محدود طبقے، کسی خاص قوم یا کسی مخصوص زمانے کے لیے نہیں۔ اس رحمت کا دائرہ وسیع ہے اور اس کی ایک صورت وہ عام فیض ہے جس سے ہر ذی روح اپنے وجود اور اپنی ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھا رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کو ایک نہایت مؤثر مثال کے ذریعے سمجھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ لِلَّهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ، أَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَيْنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالْبَهَائِمِ وَالْهَوَامِّ، فَبِهَا يَتَعَاطَفُونَ، وَبِهَا يَتَرَاحَمُونَ

(صحیح مسلم)

یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس رحمت کے سو حصّے ہیں، جن میں سے اس نے ایک حصّہ جنوں، انسانوں، چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کے درمیان نازل کیا۔ اسی ایک حصّے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے شفقت کرتے ہیں اور اسی سے ایک دوسرے پر رحم کھاتے ہیں۔

اس حدیث پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جس محبت کو ہم اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں، جس شفقت سے ایک ماں اپنے بچے کو سینے سے لگاتی ہے، جس طرح ایک جانور اپنی اولاد کی حفاظت کرتا ہے اور جس طرح انسان دوسرے انسان کے دکھ کو دیکھ کر بے چین ہو جاتا ہے، یہ سب بھی رحمت کے اسی وسیع فیض کی ایک جھلک ہے۔ جس رحمت کا صرف ایک حصّہ اس دنیا میں ظاہر ہوا ہے، اس کی حقیقت ہماری محدود عقل کے احاطے میں نہیں آسکتی۔

صفتِ رحمانیت کے اس عمیق فلسفے اور صفتِ ربوبیت سے اس کے تسلسل کو بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

”رحمانیّت وہ صفت ہے جس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے ہر ایک ذی روح کو خواہ انسان ہو یا حیوان اور ہر ایک قوم کو خواہ مؤمن ہو یا کافر، اس کی حیثیت کے موافق وجود اور بقائے وجود کے سامان عطا کیے ہیں... اور یہ عطیات کسی کے کسی عمل یا استحقاق یا دعا کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ محض خدا کے ذاتی رحم کا اقتضا ہیں جو انسان کے وجود سے بھی پہلے سے جوش میں آچکا ہے۔“

(سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 180)

اس ارشاد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رحمانیّت کے درخشندہ مفہوم کو یوں واضح فرمایا ہے کہ یہ فیض عالمگیر اور غیر جانبدارانہ ہے۔ آپؑ نے بلا تفریقِ مذہب وملّت ”مؤمن ہو یا کافر“ اور بلا تفریقِ نوع ”انسان ہو یا حیوان“ کے الفاظ استعمال کر کے یہ بتلایا کہ رحمانیّت کا تعلق عقیدے سے نہیں بلکہ صرف وجود سے ہے۔ اگر خدا رحمانیّت میں ایمان کی شرط لگا دیتا تو کافر کو نہ ہوا ملتی نہ پانی، نہ سورج کی دھوپ ملتی نہ عقل و فہم۔ آپؑ کا یہ فرمانا کہ ”انسان کے وجود سے بھی پہلے سے جوش میں آچکا ہے“ زماں و مکاں کے اس معارفی نقطے کو کھولتا ہے کہ انسان کا ماضی، حال اور مستقبل رحمانیت کے پیشگی انتظامات کا مرہونِ منّت ہے۔ یہ فکر انسان کے اندر سے تعصّب، تنگ نظری اور خود پسندی کا خاتمہ کر کے کائنات کی ہر مخلوق سے بے لوث محبت کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اسی فکری نقطے کو وسعت دیتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”رحمانیّت کا فیض وہ فیض ہے جو کسی انسان کی محنت کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ اپنے رحم سے خود انسان کے لیے پیدا کرتا ہے۔ انسان سورج کو پیدا نہیں کر سکتا، ہوا کو نہیں بنا سکتا، زمین کی مٹی خود نہیں تخلیق کر سکتا۔ یہ تمام چیزیں صفتِ رحمانیت کے تحت بِن مانگے عطا کی گئی ہیں۔ پس رحمانیّت انسان کو بتاتی ہے کہ تمہاری بنیاد شکر گزاری پر ہونی چاہیے نہ کہ غرور پر۔“

(تفسیرِ کبیر جلد اوّل زیرِ تفسیر سورۃ الفاتحہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے صفتِ رحمانیّت کے موجودہ عالمی تناظر اور معاشرتی اطلاق پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے خطبات میں بارہا فرمایا ہے کہ آج کی دنیا جو شدید نفرتوں، نسل پرستی اور معاشی استحصال کا شکار ہے، اس کے لیے صفتِ رحمانیّت کا اُسوہ مشعلِ راہ ہے۔ جب رحمان خدا بلا تفریقِ رنگ، نسل اور مذہب سب کو یکساں رزق اور سامانِ حیات دے رہا ہے، تو پھر انسانوں کو کیوں یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق غصب کریں یا مذہب کے نام پر نفرتیں پھیلائیں؟ ایک سچے مؤمن کا فرض ہے کہ وہ صفتِ رحمانیت کا پَرتو بنتے ہوئے بلا تفریقِ مذہب و ملّت تمام بنی نوع انسان کے ساتھ شفقت، ہمدردی اور ایثار کا سلوک کرے اور دنیا میں امن و آشتی کا ماحول قائم کرے۔

عزیز ساتھیو! رُبوبیّت کی آفاقی پرورش اور رحمانیّت کے بن مانگے، بلا معاوضہ عطیات کے بعد معرفتِ الٰہی کا سفر اُس مقام پر پہنچتا ہے جہاں انسان کو محض ایک غیر فعال وجود کے طور پر نہیں رکھا گیا، بلکہ اسے عقل، شعور، اختیار، قوّت، وقت اور ارادے سے نواز کر ایک فعال اور ذمہ دار وجود بنایا گیا ہے۔ رُبوبیّت نے اُسے وجود بخشا اور رحمانیت نے اس وجود کے قیام وبقا کے لیے وہ بے شمار سامان پہلے ہی مہیا کر دیے جن کا وہ خود مطالبہ بھی نہیں کر سکتا تھا، مگر اب انسان سے یہ تقاضا ہے کہ وہ ان عطاؤں کو غفلت کی نذر کرنے کے بجائے اپنے مقصدِ حیات کی تکمیل کے لیے بروئے کار لائے، اپنی اصلاح کی کوشش کرے، نیکی کی طرف قدم بڑھائے اور اپنے ربّ کے حضور عاجزی کے ساتھ جھکے۔

یہیں سے صفتِ رحمانیت کی وسیع عطا، صفتِ رحیمیّت کے خاص فیض میں ڈھلنے لگتی ہے۔ رحمانیّت وہ بے کراں رحمت ہے جو انسان کے کسی دعوے، کسی عمل اور کسی استحقاق سے پہلے ہی اسے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے، وہ وجود دیتی ہے، وسائل عطا کرتی ہے، راستے کھولتی ہے اور زندگی کے سفر کے لیے وہ سب کچھ پہلے ہی مہیا کر دیتی ہے جس کے بغیر انسان ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ لیکن جب یہی انسان ان عطاؤں کو محض نعمت سمجھ کر رک نہیں جاتا بلکہ ان کے عطا کرنے والے کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہے، اپنے اختیار کو مقصدِ حق کے لیے استعمال کرتا ہے، اپنی کمزوری کو دعا میں بدلتا ہے، اپنی لغزش پر توبہ کرتا ہے، اپنے دل کو استغفار سے دھوتا ہے اور اپنے عمل کو پاکیزگی کی طرف لے جانے کی سعی کرتا ہے، تو رحیمیّت کا دروازہ اس کے لیے کھلتا ہے۔

یوں رحمانیّت انسان کو زندگی کا سامان عطا کرتی ہے، جبکہ رحیمیّت اسی سامان کو خدا کی طرف سفر کا وسیلہ بنا دیتی ہے رحمانیّت ہاتھ میں نعمت رکھتی ہے اور رحیمیّت اسی ہاتھ کو صحیح مصرف کی توفیق بخشتی ہے۔ رحمانیّت کے فیض میں انسان کو زندگی ملتی ہے، مگر رحیمیّت کے فیض میں وہ زندگی معنی پاتی ہے؛ وہاں محض وجود باقی نہیں رہتا بلکہ وجود اپنے خالق کی معرفت، محبت اور رضا کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ اسی لیے رحیمیّت انسان کو بے عملی، محض انتظار یا تقدیر کے نام پر جمود کی تعلیم نہیں دیتی، بلکہ اُسے سعی اور دعا، کوشش اور توکّل، عمل اور عاجزی کے اس حسین توازن تک پہنچاتی ہے جہاں بندہ اپنی پوری طاقت صرف کرنے کے بعد بھی اپنے عمل پر بھروسا نہیں کرتا، بلکہ فضلِ الٰہی کا محتاج رہتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں بندے کی کوشش ختم نہیں ہوتی بلکہ اس کی خود پسندی ختم ہونے لگتی ہے، وہ عمل کرتا ہے مگر عمل کو اپنا کمال نہیں سمجھتا، دعا کرتا ہے مگر دعا کو اپنی طاقت نہیں سمجھتا، کوشش کرتا ہے مگر نتیجہ اپنے ہاتھ میں نہیں سمجھتا۔ وہ جان لیتا ہے کہ انسان کا کام دروازے پر پہنچ کر دستک دینا ہے، دروازہ کھول دینا ربِّ رحیم کا فضل ہے۔ چنانچہ رحیمیت دراصل اس مقام کا نام ہے جہاں بندے کی سعی، اس کی عاجزی اور اس کا توکّل ایک دوسرے سے مل کر اُسے اس فضل کا اہل بناتے ہیں جو اُس کے محدود عمل سے کہیں بڑھ کر ہے۔

میرے ساتھیو! اگر رحمانیّت نے زمین، بیج، پانی، ہوا اور روشنی کا انتظام کیا ہے تو رحیمیّت اُس وقت اپنا خاص جلوہ دکھاتی ہے جب انسان اس عطا کردہ زمین میں بیج بوتا، اُسے سینچتا، اُس کی حفاظت کرتا اور اپنی استطاعت کے مطابق اُس کی نشوونما کے لیے محنت کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس محدود انسانی کوشش میں اپنے فضل کو شامل کر کے اُسے ایسے نتیجے تک پہنچاتا ہے جو محض انسانی تدبیر کے دائرے میں ممکن نہیں ہوتا۔ بندے کی ذمہ داری کوشش کرنا ہے، مگر اس کوشش کو زندگی بخشنا، اُسے محفوظ رکھنا اور اُسے ثمر تک پہنچانا اللہ تعالیٰ کے فضل کا کام ہے۔

لغوی اور صرفی اعتبار سے "رحیم" عربی میں "فَعِیْل" کے وزن پر ہے، جو دوام، ثبات اور استمرار کا مفہوم رکھتا ہے۔ چنانچہ رحیمیّت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی عطا کردہ عقل، قوّت، وقت اور اختیار کو غفلت میں ضائع نہ کرے بلکہ انہیں نیکی اور پاکیزگی کے مقصد میں استعمال کرے اور اپنی پوری کوشش کے باوجود اپنے ربّ کی محتاجی اور عاجزی کو نہ بھولے۔ کیونکہ بندے کی تدبیر اپنی جگہ ضروری ہے، مگر اس تدبیر کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے فضلِ الٰہی ناگزیر ہے۔

رحیمیّت انسان کو یہی امید دیتی ہے کہ اس کی کمزوری اس کی آخری حقیقت نہیں۔ انسان نیکی کی کوشش میں کامل نہیں ہوتا، دعا میں بھی کمی رہ جاتی ہے اور اصلاح کی راہ میں بار بار لغزش آسکتی ہے، لیکن مخلصانہ کوشش کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ رحیم خدا بندے کو اس کی کمزوریوں کے باوجود سنبھالتا ہے، اس لیے مؤمن ناکامی کے بعد مایوس نہیں ہوتا بلکہ دعا کی طرف لوٹتا، لغزش کے بعد توبہ کرتا اور کمزوری کے بعد استغفار کے ذریعے اپنے ربّ سے تعلق کو پھر مضبوط کرلیتا ہے۔

دورِ حاضر میں جب انسان ذہنی تناؤ، بے یقینی، ناامیدی اور اپنی کوششوں کے بے نتیجہ رہ جانے کے خوف میں گھرا ہوا ہے، صفتِ رحیمیّت اُسے ایک ایسی امید عطا کرتی ہے جو محض جذباتی تسلّی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی صفات پر قائم ایک مضبوط یقین ہے۔ یہ یقین انسان کو بتاتا ہے کہ کائنات اندھے اتفاقات اور بے مقصد مادّی عوامل کا مجموعہ نہیں، بلکہ اس کے پس پردہ ایک ایسا رحیم خدا موجود ہے جو بندے کی خاموش دعا، اس کے آنسو، اس کی توبہ اور اس کی مخلصانہ کوشش سے بے خبر نہیں۔

قرآنِ کریم میں صفتِ رحیمیّت کے اس خاص اور مؤمنانہ فیض کو ان الفاظ میں سمویا گیا ہے:

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا (الاحزاب:44)

کہ وہ مؤمنوں پر بے حد اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ رحیمیّت کا یہ خاص تعلق ایمان والوں کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور ایمان محض زبان سے کسی حقیقت کو مان لینے کا نام نہیں بلکہ انسان کے ارادے، عمل، دعا، اخلاق اور زندگی کے رخ میں ظاہر ہونے والی ایک عملی کیفیت ہے۔ اس لیے رحیمیت کا فیض پانے والا انسان اپنے رب کی عطا کردہ قوتوں کو نیکی کے لیے استعمال کرتا ہے، اپنی کمزوریوں پر مغرور ہونے کے بجائے استغفار کرتا ہے اور اپنی کوششوں کے نتائج کو اپنی قابلیت کا آخری ثبوت سمجھنے کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل کی طرف منسوب کرتا ہے۔

رحیم خدا کی اس صفت اور دعاؤں کی قبولیت کے باہمی گہرے تعلق پر روشنی ڈالتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ لَّمْ يَدْعُ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ غَضِبَ عَلَيْهِ

(سنن الترمذی)

یعنی جو شخص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے مانگتا نہیں اور دعا نہیں کرتا، اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

صفتِ رحیمیّت کے لطیف معارف اور رحمانی سے اس کے بنیادی فرق کو واضح کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:

”رحیمیّت وہ صفت ہے جس کا تقاضا بندہ کے سعی اور عمل اور دعا اور تضرّع اور پاکیزگیٔ نفس کے بعد ظہور میں آتا ہے...یعنی جب انسان خدا تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت سے فائدہ اٹھا کر اپنے تمام قوائے دادارِ پاک کو اپنے مقصدِ راست میں لاتا ہے اور نیکی کے حاصل کرنے کے لیے جس قدر کوشش اس کے بس میں ہے کر چکتا ہے تو پھر صفتِ رحیمیّت جوش میں آتی ہے اور اس کی کوشش کو پھلاتی ہے اور اس کی کاوش کے بُرے نتائج سے اس کو بچاتی ہے۔“

(سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد2 صفحہ 181)

اس جلیل القدر ارشاد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انسانی عمل اور خدائی فیض کے باہمی ربط کا وہ عظیم الشان راز فاش فرمایا ہے جو روح اور مادے کی تمام گرہوں کو کھول دیتا ہے۔ آپؑ نے یہ فکری نقطہ قائم فرمایا کہ صفتِ رحیمیّت کا ظہور معطل بیٹھنے والوں کے لیے نہیں، بلکہ ان کے لیے ہے جو اپنے تمام تر قویٰ کو ”مقصدِ راست“ میں جھونک دیتے ہیں۔ جب انسان اپنے امکانات کی آخری حد تک پہنچ جاتا ہے اور پھر عجز و نیاز کے ساتھ ہاتھ اٹھاتا ہے، تو رحیمیّت کا قانون متحرّک ہوتا ہے۔ آپؑ کا یہ فرمانا کہ ”اس کی کاوش کے بُرے نتائج سے اس کو بچاتی ہے“ ایک ایسا لطیف معارف ہے جو بتاتا ہے کہ انسان کامل نہیں ہے، اس کی ہر تدبیر میں خامی کا امکانی خطرہ رہتا ہے، لیکن خدا کی رحیمیّت ان انسانی کوتاہیوں کو اپنے دامنِ کرم میں چھپا کر منفی نتائج کو مثبت برکات میں بدل دیتی ہے۔

اسی فلسفۂ رحیمیّت، دعا اور توبہ کے باہمی تعلق کو مزید کھولتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”صفتِ رحیمیّت انسان کے اعمال کے ساتھ وابستہ ہے۔ رحمانیّت نے جو قویٰ انسان کو دیے تھے، جب انسان ان قویٰ کو صحیح اور پاک جگہ پر استعمال کرتا ہے اور خدا کے آگے جھکتا ہے تو صفتِ رحیمیّت اس کے ناقص اعمال کو بھی کامل بنا کر قبول کر لیتی ہے اور اسے وہ نتائج عطا کرتی ہے جو اس کے اپنے استحقاق سے کہیں بڑھ کر ہوتے ہیں۔“

(تفسیرِ کبیر، جلد اوّل زیرِ تفسیر سورۃ الفاتحہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبات میں صفتِ رحیمیّت کے عملی اور جدید تناظر کو بیان کرتے ہوئے بارہا ارشاد فرمایا ہے کہ صفتِ رحیمیّت سے حصّہ پانے کے لیے تضرّع، توبہ اور استغفار لازمی شرائط ہیں۔ حضور انور نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تحریر کردہ دلنشین استعارے کا ذکر فرماتے ہوئے واضح کیا کہ جیسے جب بچہ بھوک اور پیاس سے بے قرار ہو کر چلّاتا اور روتا ہے، تو ماں کے پستان میں دودھ جوش مار کر آجاتا ہے، بالکل اسی طرح جب بندہ عاجزی اور درد کے ساتھ اللہ کے حضور چیختا و چلّاتا ہے، تو خدا کی صفتِ رحیمیّت جوش میں آتی ہے اور اس کی دعا و عمل کو شرفِ قبولیت عطا فرماتی ہے۔ موجودہ دور کے انتشار اور اخلاقی زوال میں صفتِ رحیمیّت کی پردہ پوشی کے اخلاق کو اپناتے ہوئے انسانوں کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کی خطاؤں کو معاف کریں اور استغفار کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں۔

پس ساتھیو! ربُوبیّت، رحمانیّت اور رحیمیّت، صفاتِ الٰہیہ کی یہ وہ ثلاثی زنجیر ہے جو خالق کو مخلوق سے اور بندے کو اس کے معبودِ حقیقی سے جوڑتی ہے۔ سورۃ الفاتحہ کا یہ لائقِ صد تحسین اور بے نظیر نظامِ معرفت ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کا روحانی، عقلی اور اخلاقی سفر خدا کی آفاقی ربُوبیّت کی شناخت سے شروع ہوتا ہے، رحمانیّت کے غیر مشروط اور بلا معاوضہ عطیات پر شکر گزاری سے پروان چڑھتا ہے اور صفتِ رحیمیّت کے حضور عاجزانہ دعاؤں، تضرّع اور پاکیزہ اعمال کی بدولت کمالِ معرفت تک پہنچتا ہے۔ اگر ربُوبیّت وجود کا بنیادی ڈھانچہ قائم کرتی ہے اور رحمانیّت اُسے مادّی وروحانی قویٰ سے لیس کرتی ہے، تو رحیمیّت ان تمام قویٰ اور انسان کی بلا انقطاع سعی و کوشش کو بابرکت نتائج، بقائے دوام اور رضائے الٰہی کا رنگ بخشتی ہے۔

ایک مؤمن کے لیے خدا کی ان صفات کو سمجھنے کا مقصد صرف محض علمی یا نظریاتی تسکین نہیں، بلکہ اپنی ذاتی حیات، اپنے اخلاق اور اپنے افعال میں ان خدائی صفات کا پَرتَو اور عکس پیدا کرنا ہے۔ جب تک انسان تمام مخلوقِ خدا کے لیے ربُوبیّت کے سائے تلے بلا امتیاز خدمت، رحمانیّت کے زیرِ اثر بے لاگ رحم و شفقت اور رحیمیت کی اتباع میں اپنوں اور پرایوں کے عیوب کی پردہ پوشی اور ان کے حسنِ عمل کی قدر شناسی نہیں کرتا، وہ حقیقی معنوں میں عبدُالرحمٰن کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ آفاقی پیغام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوۂ حسنہ سے قائم فرمایا اور جس کی تجدید اس زمانے میں آپؐ کے عاشقِ صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے احمدیت نے اپنے اقوال و افعال سے فرمائی۔

قرآنِ کریم میں خدا سے زندہ تعلق اور نیکیوں کے پھلنے پھولنے اور مقبولِ عام ہونے کا یہی حتمی قانونی اصول ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا (مریم:97)

یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اُن کے لئے رحمان محبت پیدا کر دے گا۔

صفاتِ الٰہیہ سے عملی حصّہ پانے اور انسانی زندگی کے حقیقی مقصد کو واضح کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُہُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ

(سنن الترمذی)

رحم کرنے والوں پر رحمان خدا رحم فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

ان صفات کی کامل یکجہتی اور انسان کے آخری مقامِ عبودیت کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:

”پس تمام حمد کا مستحق وہی ایک خدا ہے جس کی ربُوبیّت نے تمام عالموں کو پیدا کیا اور جس کی رحمانیّت نے بلا استحقاق تمام اسبابِ پرورش مہیا کیے اور جس کی رحیمیّت نے عملوں کا نیک نتیجہ دیا اور دعاؤں کو قبول کیا... انسان کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنے ربّ کی ان صفات کو اپنے اندر جذب کرے اور اپنے اخلاق کو صفاتِ الٰہیہ کے رنگ میں رنگین کرلے۔“

(سرمہ چشمِ آریہ، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 182)

اس جامع ارشاد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انسانی زندگی کا ایک بہت اہم مقصد بیان فرمایا ہے کہ انسان صرف خدا کی صفات کو ماننے تک محدود نہ رہے بلکہ اپنی زندگی میں ان صفات کا اثر بھی پیدا کرے۔ خدا کی صفات کو اپنے اندر اپنانا اور اپنے کردار کو ان کے رنگ میں ڈھالنا ہی روحانی ترقی کی اصل علامت ہے۔ جب انسان ربُوبیّت کا رنگ اپناتا ہے تو وہ خدا کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے، جب رحمانیّت کا رنگ اختیار کرتا ہے تو بلا کسی غرض کے دوسروں کے لیے فائدہ مند بنتا ہے اور جب

رحیمیّت کو اپنی زندگی کا حصہ بناتا ہے تو دوسروں کی کمزوریوں اور غلطیوں کو نظر انداز کرتا، ان کی پردہ پوشی کرتا اور ان کی اچھی باتوں کی قدر کرتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان اپنے کردار کے ذریعے خدا کی صفات کا حقیقی عکس بننے لگتا ہے۔

اسی فکر کو آگے بڑھاتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”ان تینوں صفات (رُبوبیّت، رحمانیّت اور رحیمیّت) کے بعد جب انسان 'مالک یوم الدین' پر پہنچتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی کا ایک ایک لمحات اور اس کا ہر عمل خدا کی نظر میں ہے اور اس کا آخری فیصلہ اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ وہ ان صفات پر تدبّر کر کے اپنے آپ کو کامل طور پر خدا کے سپرد کر دے۔“

(تفسیرِ کبیر جلد اوّل زیرِ تفسیر سورۃ الفاتحہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے صفتِ رحمانیّت و رحیمیّت کے باہمی تعامّل اور موجودہ دور کے زوال سے نجات کی بابت ارشاد فرمایا:

”پس آج اس دنیا کو جو تباہی کی طرف جا رہی ہے، سنبھالنے کے لیے اور تباہی سے بچانے کے لیے رحمان اور رحیم خدا کے آغوش میں لانے کی ضرورت ہے اور یہ کام احمدیوں کا ہے کہ اپنے ادعیہ کے ذریعے سے، اپنے اعمالِ صالحہ کے ذریعے سے، خدائے رحیم سے حصہ لیتے ہوئے دنیا کے سامنے اسلام کا پیار اور محبت کا چہرہ پیش کریں...

پس ہر احمدی کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر ایسی تبدیلیاں پیدا کرے کہ صفتِ رحمانیّت کے فیض سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، صفتِ رحیمیّت کا حصہ بنتے ہوئے، دنیا کے لیے رحم کا وجود بن جائے۔“

(خطبہ جمعہ 9/ فروری 2007ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم خدا کی ان تمام عظمتِ رفتہ صفات یعنی رُبوبیّت، رحمانیّت اور رحیمیّت کا صحیح ادراک حاصل کرنے والے ہوں، اپنے عملوں کو توبہ واستغفار سے محفوظ رکھنے والے بنیں اور کائنات کے ہر وجود کے لیے سراپا رحم وبرکت بن کر زندگی بسر کریں۔ آمین

(بتعاون: نعیم اللہ باجوہ۔ آسٹریلیا)

✡✡✡✡